قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۗ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل لندن

مدیر ۔ ابو سعید

Online Edition

جمعۃ المبارک 05 مارچ 2021ء | 20 رجب 1442ہجری قمری | جلد:3 | شمارہ:55

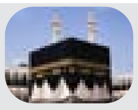

ارشادِ باری تعالیٰ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا

(الفرقان :31)

ترجمہ: اور رسول کہے گا اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے۔

فرمان خلیفہ وقت

حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

ایک دفعہ میں وقف عارضی پر کسی کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ تو ایک دن صبح کی نماز کے بعد ہم تلاوت سے فارغ ہوئے تو وہ مجھے کہنے لگے کہ میاں تم سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔ میں سمجھا پتہ نہیں مجھ سے کیا غلطی ہو گئی۔ میں نے پوچھا ہوا کیا ہے۔ کہنے لگے کہ مَیں دو تین دن سے دیکھ رہا ہوں کہ تم تلاوت کرتے ہو تو بڑی ٹھہر ٹھہر کے تلاوت کرتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اٹکتے ہو تمہیں ٹھیک طرح قرآن کریم پڑھنا نہیں آتا۔ تو میں نے ان کو کہا کہ اٹکتا نہیں ہوں بلکہ مجھے اسی طرح عادت پڑی ہوئی ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا طریق ہوتا ہے۔ اس حدیث کا حوالہ تو نہیں پتہ تھا۔ قرآن کی یہ آیت میرے ذہن میں نہیں آئی۔ لیکن مَیں نے کہا مجھے تیز پڑھنا بھی آتا ہے بے شک تیز پڑھنے کا مقابلہ کر لیں لیکن بہرحال جس میں مجھے مزا آتا ہے اسی طرح میں پڑھتا ہوں، تلاوت کرتا ہوں۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی علمیت دکھانے کے لئے بھی سمجھتے ہیں کہ تیز پڑھنا بڑا ضروری ہے حالانکہ اللہ اور اللہ کے رسول کہہ رہے ہیں کہ سمجھ کے پڑھو تا کہ تمہیں سمجھ بھی آئے اور یہی مستحسن ہے۔ اور جیسا کہ مَیں نے کہا ہر ایک کی اپنی اپنی استعداد ہے۔ ہر ایک کی اپنی سمجھنے کی رفتار اور اخذ کرنے کی قوت بھی ہے تو اس کے مطابق بہرحال ہونا چاہئے اور سمجھ کر قرآن کریم کی تلاوت ہونی چاہئے۔ قرآن کریم کا ادب بھی یہی ہے کہ اس کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ اگر اچھی طرح ترجمہ آتا بھی ہو تب بھی سمجھ کر، ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کا حق ادا کرتے ہوئے پڑھنا چاہئے تا کہ ذہن اس حسین تعلیم سے مزید روشن ہو۔ پھر جب انسان سمجھ لے، ہر ایک کا اپنا علم ہے اور استعداد ہے جس کے مطابق وہ سمجھ رہا ہوتا ہے جیسا کہ مَیں نے کہا لیکن قرآن کریم کا فہم حاصل کر کے اس کو بڑھانا بھی مومن کا کام ہے۔ ایک جگہ ہی یہ تعلیم محدود نہیں ہو جاتی۔ تو جتنی بھی سمجھ ہے، بعض تو بڑے واضح

بقیہ صفحہ 5 پر

اس شمارہ میں

دربار خلافت
اسلام پر یہ سخت مصیبت کا وقت ہے (منظوم)
دبستانِ حیات
محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد سے وابستہ ناقابل فراموش یادیں

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن پاک حفظ کرنے کی فضلیت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حافظ قرآن کو جنت میں داخل ہوتے وقت کہا جائے گا کہ تم قرآن پڑھتے جاؤ اور بلندی کی طرف چڑھتے جاؤ۔ پس وہ قرآن کریم پڑھتا جائے گا اور بلندی کی منازل طے کرتا جائے گا۔ کیونکہ ہر ایک آیت کے بدلے اس کے لئے ایک درجہ ہو گا۔ یہاں تک کہ آخری آیت کے پڑھنے تک جو اسے یاد ہو گی وہ بلندی کی طرف چڑھتا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب ثواب القرآن)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

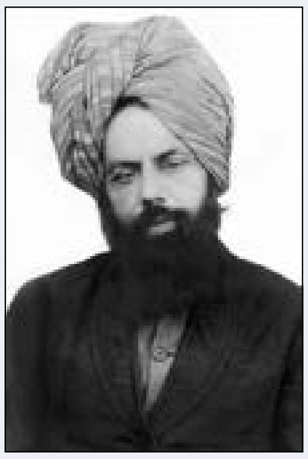

قرآن شریف پر تدبر کرو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’قرآن شریف پر تدبّر کرو اس میں سب کچھ ہے۔ نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل ہے اور آئندہ زمانہ کی خبریں ہیں وغیرہ۔ بخوبی سمجھ لو کہ یہ وہ مذہب پیش کرتا ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے برکات اور ثمرات تازہ بہ تازہ ملتے ہیں۔ انجیل میں مذہب کو کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اُس کی تعلیم اُس زمانہ کے حسبِ حال ہو تو ہو۔ لیکن وہ ہمیشہ اور ہر حالت کے موافق ہرگز نہیں۔ یہ فخر قرآن مجید ہی کو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر مرض کا علاج بتایا ہے اور تمام قویٰ کی تربیت فرمائی ہے اور جو بدی ظاہر کی ہے اس کے دُور کرنے کا طریق بھی بتایا ہے اس لیے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو اور دُعا کرتے رہو اور اپنے چال چلن کو اس کی تعلیم کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو۔‘‘

(ملفوظات جلد 5، صفحہ 102، ایڈیشن 1988ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن کریم پر تدبر و تفکر کرنے کے بارہ میں مزید فرماتے ہیں:

’’قرآن شریف تدبّر و تفکّر وغور سے پڑھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے رُبَّ قَارٍ یَلْعَنُہُ الْقُرْاٰنُ۔ یعنی بہت ایسے قرآن کریم کے قاری ہوتے ہیں جن پر قرآن کریم لعنت بھیجتا ہے۔ جو شخص قرآن پڑھتا اور اس پر عمل نہیں کرتا اس پر قرآن مجید لعنت بھیجتا ہے۔ تلاوت کرتے وقت جب قرآن کریم کی آیت رحمت پر گزر ہو تو وہاں خداتعالیٰ سے رحمت طلب کی جاوے اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو تو وہاں خداتعالےٰ کے عذاب سے خداتعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جاوے اور تدبّر وغور سے پڑھنا چاہیئے اور اس پر عمل کیا جاوے۔‘‘

(ملفوظات جلد 5، صفحہ 157 ، ایڈیشن 1988ء)

پرستش کی جڑ تلاوت کلام الٰہی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

پرستش کی جڑ تلاوت کلام الٰہی ہے۔ کیونکہ محبوب کا کلام اگر پڑھا جائے یا سنا جائے تو ضرور سچے محب کے لئے محبت انگیز ہوتا ہے اور شورش عشق پیدا کرتا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد 2۔ صفحہ 283)

دربارِ خلافت

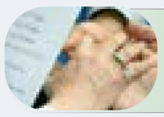

کسی عمل کے نتیجہ میں خدا کا فضل ہو تو ایسے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کے حضور اور جھکنا چاہیے۔ کسی قسم کی بڑائی دل میں نہیں آنی چاہیے بلکہ عاجزی میں ترقی ہونی چاہیے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ نے گھر کہلا بھیجا کہ مہمان کے لئے کھانا بھجواؤ۔ جواب آیا کہ پانی کے سوا آج گھر میں کچھ نہیں۔ اس پر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا اس مہمان کے کھانے کا بندوبست کون کرے گا۔ ایک انصاری نے عرض کیا: حضور! میں انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ گھر گیا اور بیوی سے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر مدارات کا اہتمام کرو۔ بیوی نے جواباً کہا۔ آج گھر میں تو صرف بچوں کے کھانے کے لئے ہے۔ انصاری نے کہا اچھا تو کھانا تیار کرو اور چراغ جلاؤ اور جب بچوں کے کھانے کا وقت آئے تو ان کو تھپتھپا کر اور بہلا کر سلا دو۔ چنانچہ عورت نے کھانا تیار کیا، چراغ جلایا، بچوں کو بھوکا سلا دیا۔ پھر چراغ درست کرنے کے بہانے اٹھی اور جا کر چراغ بجھا دیا۔ اور پھر دونوں مہمانوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ بظاہر کھانا کھانے کی آوازیں نکالتے رہے تاکہ مہمان سمجھے کہ میزبان بھی ہمارے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ اس طرح مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور وہ خود بھوکے سو گئے۔ صبح جب وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ہنس کر فرمایا: تمہاری رات کی تدبیر سے تو اللہ تعالیٰ بھی ہنسا اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ’’یہ پاک باطن ایثار پیشہ مخلص مومن اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ وہ خود ضرورتمند اور بھوکے ہوتے ہیں۔ اور جو نفس کے بخل سے بچائے گئے وہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں‘‘۔

(بخاری کتاب المناقب باب یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ)

(اس کا ترجمہ میں نے پڑھ دیا ہے۔) اس حدیث میں جو ہم میں سے بہت دفعہ بہت سے سن بھی چکے ہوں گے، پڑھ بھی چکے ہوں گے لیکن ہر دفعہ جب اس کو پڑھو اس کا عجیب لطف اور مزا ہے اور خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش اس صحابی کی جگہ ہم ہوتے کیونکہ یہ مہمان نوازی تو ایسی اعلیٰ پائے کی مہمان نوازی ہے کہ جب تک یہ دنیا قائم ہے اللہ تعالیٰ نے اس مہمان نوازی کی مثال کو محفوظ کر لیا ہے اور ہمیشہ کے لئے یہ حوالہ بن چکی ہے اور ریکارڈ میں رہے گی۔ کیونکہ یہ ایسی مہمان نوازی ہے جس پر خوشنودی کا سرٹیفیکیٹ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے خود دیا ہے۔ یہ مثالیں قصے کہانیوں کے طور پر نہیں دی جاتیں۔ آج بھی اگر چاہو تو ایسی مہمان نوازی کی مثال قائم کر سکتے ہو۔ ہر ایک کی اپنی اپنی استعدادیں ہوتی ہیں، توفیق ہوتی ہے۔ اس کے مطابق جتنی زیادہ مہمان نوازی کی جا سکے کرنی چاہئے اور مہمان نوازی کے اعلیٰ معیار حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ اعزاز بہرحال اس انصاری کا قائم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ لیکن ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر نیک نیتی کے ساتھ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کی خوشنودی کی خاطر قربانیوں کے اعلیٰ معیار قائم کرتے ہوئے مہمان نوازی کریں گے اور اس لئے مہمان نوازی کریں گے کہ یہ خدا کے پیارے مسیح کے مہمان ہیں، محض للہ یہاں یہ اکٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی خدمت ہم نے کرنی ہے تو چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے یہ مہمان نوازیاں بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی خاطر کئے گئے کسی فعل کو بغیر اجر کے نہیں چھوڑتا۔ تو چاہے اس جہان میں اجر دے، چاہے اگلے جہان میں رکھے، جو نیکیاں ہیں ان کا تو دونوں جہانوں میں اجر ملتا ہے۔ لیکن بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کے زندگی میں ہی ایسے سلوک ہو جاتے

بقیہ صفحہ 8 پر

آج کی دعا

مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا ۚ وَ مَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔

(سورۃ فاطر:3)

ترجمہ: اللہ انسانوں کے لئے جو رحمت جاری کر دے اُسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جو چیز وہ روک دے اُسے اس کے (روکنے) کے بعد کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہ کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں

ہاتھ میں تیرے ہے ہر خُسران و نفع و عُسر و یُسر
تُو ہی کرتا ہے کسی کو بےنوا یا بختیار
ٹوٹے کاموں کو بنا دے جب نگاہِ فضل ہو
پھر بنا کر توڑ دے اک دم میں کر دے تار تار
تُو ہی بگڑی کو بناوے توڑ دے جب بن چکا
تیرے بھیدوں کو نہ پاوے سو کرے کوئی بچار

مرسلہ: مریم رحمٰن

اسلام پر یہ سخت مصیبت کا وقت ہے

اسلام پر یہ سخت مصیبت کا وقت ہے
کچھ اس میں شک نہیں کہ قیامت کا وقت ہے
آفت میں گھرا ہے یہ آفت کا وقت ہے
مسلم قدم بڑھا کہ یہ ہمت کا وقت ہے
ہاں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ ہمارے قصور ہیں
مانگو دعائیں گر کے خدا کے حضور میں
تڑپا کرے نہ اب کوئی گلفام کے لئے
رونا ہو جس کو روئے وہ اسلام کے لئے
ہرگز کرے نہ کام کوئی نام کے لئے
ہو مال خرچ دین کے اکرام کے لئے
روؤ خدا کے سامنے آنسو بہاؤ تم
یہ آگ جس طرح سے بجھے اب بجھاؤ تم
ہم نے خدا کے دین کو بالکل بھلا دیا
جو جو تھے حکم سب کو نظر سے گرا دیا
دل سے خدا کا نقشِ محبت مٹا دیا
اتنے بڑھے کہ خوف بھی دل سے اٹھا دیا
فریاد سب کیا کریں آقا کے سامنے
تڑپا کریں نماز میں مولا کے سامنے
رب کریم فضل سے سن لے دعائیں سب
رحمت سے اپنی بخش ہماری خطائیں سب
گر حکم ہو تو کھول کے سینہ دکھائیں سب
آقا سنیں تو قصہ دل کہہ سنائیں سب
دل کانپتا ہے ڈر سے زبان لڑکھڑاتی ہے
رحمت تیری مگر ذرا ہمت بندھاتی ہے

درعدن ایڈیشن 2008 صفحہ 106-111

منور احمد خورشید۔واقفِ زندگی برطانیہ

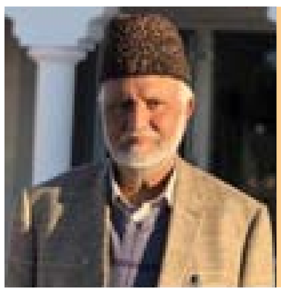

دبستانِ حیات

قسط ششم

مسجد احمدیہ میانوالی

سردی کے ایّام تھے۔میَں مسجد کے صحن میں اداس سا بیٹھا ہوا تھا۔اچانک باہر کا دروازہ کھلااور ایک بڑی عمر کا شخص اندر داخل ہوا۔اس شخص نے میانوالی کا روایتی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔یعنی پگڑی وغیرہ باندھی ہوئی تھی۔صحن میں آکر اسنے سلام کہا۔میں نے انہیں خوش آمدید کہا اور بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کی۔لیکن وہ بیٹھا نہیں، مجھے کہنے لگا آپ جماعتِ احمدیہ کے مربّی ہیں؟میں نے اثبات میں سر ہلایا۔اسپر کہنے لگے آپ لوگ بہت جھوٹ بولتے ہیں۔میں اس شخص کے اندازِ کلام پر بڑا متعجب اور حیران ہوا۔میں نے عرض کی،آپ بیٹھیں،بات کرتے ہیں۔لیکن صاحب کھڑے رہے۔میں نے عرض کی آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟کہنے لگے۔آپ کے اخبارات و جرائد ان مضامین سے بھرے پڑے ہوتے ہیں کہ ہم نے افریقہ کے فلاں ملک میں مسجد بنادی،فلاں شہر میں مسجد بنادی ہے۔جبکہ میانوالی میں آپ کی مسجد کا یہ حال ہے۔اس کے بعد باوجود میری،میرے پاس بیٹھنے کی استدعا کے وہ اجنبی دوست تشریف لے گئے۔اور میرے دل ودماغ کے لئے ایک سوال چھوڑ گئے۔

تعمیرِ مسجد کا پروگرام

اسی روز مکرم صدر صاحب مسجد میں تشریف لائے۔میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ ہمیں ایک نئی مسجد بنانی چاہیے۔کہنے لگے۔ہماری قسمت میں مسجد کہاں۔پہلی بات تو ہماری مالی حالت ہی ایسی ہے۔ہم صرف چندمزدور پیشہ دوست ہیں۔جو بمشکل اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔دوسرے شہر میں سخت مخالفت بھی ہے۔لوگ بڑے متعصب اور اجڈ ہیں۔

میں نے عرض کی۔اگر ان دو کمروں میں جو آگے پیچھے ہیں۔ان کی درمیان سے دروازہ اور دونوں کھڑکیاں نکال دیں تو پھر ایک چھوٹا سا ہال نما کمرہ بن جائے گا جس میں ہم نمازیں ادا کرلیا کریں گے۔اور اس پر زیادہ خرچ بھی نہیں آئے گا۔صدر صاحب راضی ہوگئے۔نمازِعشاء کے بعد جب نمازی اپنے گھروں کو چلے گئے۔میں نے ایک ہتھوڑا لیا اور اس کی مدد سے دونوں کمروں کے درمیان دروازہ اوردونوں کھڑکیاں نکالنی شروع کردیں۔کافی تگ ودو کے بعد میں نے یہ کام مکمل کرلیا۔صبح کی نماز پر دوست تشریف لائے۔وہ مسجد کی صورت حال دیکھ کرسخت پریشان ہوگئے۔بہر حال اب واپسی کا کوئی رستہ نہ تھا۔مسجد میں صفائی کے لئے خدّام کو وقارِعمل کے لئے بلایا گیا۔الحمد للہ صفائی ہوگئی اور جگہ نماز کے قابل ہوگئی۔

تکمیلِ مسجد کے معجزانہ اسباب

اب ہم نے سوچا اگر پوری دیوار کو ہی نکال دیں تو پھر یہ ایک باقاعدہ ہال بن سکتا ہے۔چند دن اسی کشمکش میں گزر گئے۔ایک دن مکرم صدر صاحب میرے پاس مسجد میں تشریف لائے۔اتفاق سے ایک احمدی بھائی مکرم عبدالحمید صاحب انہی دنوں کسی اور شہر سے میانوالی میں بطور ایکسیئن ٹرانسفر ہو کر آئے تھے۔مسجد میں آگئے۔کہنے لگے ادھر آیا ہوا تھا سوچا آپ کو سلام کرلوں۔میں نے انہیں مسجد دکھائی اورعرض کی اگرہم چند ہزار روپے خرچ کرکے اس میں بیم ڈال دیں تو یہ ایک مناسب ہال بن جائے گا۔کہنے لگے یہ کام چند ہزار کا نہیں ہے۔یہ تو کم ازکم دس ہزار کا نسخہ ہے۔میں ان کی یہ بات سن کر قدرے پریشان ہوگیا۔اس پر کہنے لگے۔آپ فکر نہ کریں آپ یہ پانچ ہزار مجھ سے ابھی لے لیں۔اور یہ کارِخیر شروع کردیں۔نیز کہنے لگے۔آپ اس مسجد پربیم ڈلوائیں،دیواروں کی چھلائی کرکے سارے نئے پلستر کریں فرش اکھاڑکربہترین چپس ڈالیں،مسجد کے صحن کو اکھاڑ کر نئے فرش بنائیں،مسجد میں پانی کے لئے ایک موٹر لگوائیں۔انشاء اللہ اس کے سارے اخراجات میں ادا کروں گا۔مربّی ہاؤس کے لئے آپ لوگ جیسے ممکن ہے انتظام کرلیں۔مسجد کا سارا کام میں اکیلے ہی کروں گا۔ہم اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے واقعہ پر حیران وششدر رہ گئے۔پھربفضل تعالیٰ چند مہینوں میں ایک بہت ہی خوبصورت مسجد بن گئی۔الحمد للہ

اس کے بعد خدام وانصار کی انتھک محنت اورقربانی اور مرکز کے تعاون سے ایک خوبصورت سا مربّی ہاؤس بھی بن گیا۔الحمد للہ

اس معجزانہ کرشمہ میں سب خدام اورانصار نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق دل کھول کرمالی قربانی دی۔مکرم منیرالرحمان صاحب مرحوم ومغفوراورمکرم عبدالمؤمن محمود صاحب کے موٹرسائیکل بہت بڑی نعمت تھے۔جن پرسوار ہوکرہم لوگ ضلع بھر میں دورے کرتے رہے۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیرعطا فرمائے۔

مشکل میں ایک غیبی امداد

جن دنوں میانوالی میں مسجد زیرِتعمیر تھی۔شہر میں چند شرپسند مولویوں نے جماعت کے خلاف جلوس نکالنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ایک دن جمعہ کے روزایک مولوی نے ریلوے سٹیشن کے قریب مسجد میں بڑی دھواں دار تقریر کی اور لوگوں کو جماعت کے خلاف بہت اکسایا۔سامعین میں سے ایک آدمی کھڑا ہوگیا۔اس نے مولوی کو مخاطب ہو کر کہاتم کونسا اسلام پیش کررہے ہو تم ہمیں کوئی پیار محبت کی بات بتاؤ تم تو صرف نفرت اورتعصب اور ظلم وستم کا درس دے رہے ہو۔اس نامعلوم دلیراوربہادر آدمی نے مولوی سمیت سب کوٹھنڈا کردیا اورسب لوگ مسجد سے اٹھ کراپنے گھروں کو چلے گئے۔اس طرح معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے جماعت کی حفاظت فرمائی۔

ایک نوجوان کا وقارِعمل

میانوالی میں مسجد زیرِتعمیر تھی۔ایک روزمسجد میں وقارِ عمل کے لئے اعلان کیا گیا۔مقررہ دن پر کافی احباب تشریف لائے۔ان میں اکثرسرکاری ملازمین تھے۔ان میں سے ایک خاصی تعداد سرکاری افسران کی تھی۔اگلے روز ایک نوجوان جو کہ ائرفورس میں فلائیٹ لیفٹیننٹ تھے۔اورمیانوالی بیس میں متعین تھے۔خاکسار کے پاس آئے اور کہنے لگے، کل کسی مصروفیت کی بنا پر میں نہیں آسکا اس لئے معذرت خواہ ہوں۔آج میں فارغ ہوں اس لئے اب حاضر ہوگیا ہوں۔مجھے کوئی کام بتائیں کہ میں کیا کام کرسکتا ہوں۔انہیں بتایا کہ ہم نے تو راستہ سے اینٹیں اٹھائی تھیں۔اس طرح وہ کافی دیر تک اینٹیں گلی سے اٹھاتے رہے جو رستہ بلاک کررہی تھیں۔آج تک میرے دل ودماغ میں اس نوجوان آفیسر کیلئے جماعت کے ساتھ اخلاص ومحبت اور اطاعت کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔

کسی کو خدا نہیں بنانا چاہیے

مسجد کی تعمیر کا بیڑہ تو مکرم چوہدری عبدالحمید صاحب ایکسیئن ضلع میانوالی نے اپنے ذمّہ اٹھا لیا۔اب مربّی ہاؤس کے تعمیراتی اخراجات کا انتظام کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔پروگرام ترتیب دیا گیا۔احباب جماعت سے چندہ کی اپیل کی جائے۔انتظامیہ نے بعض مخیّر حضرات کی فہرست تیار کی۔جن سے رابطہ کیا گیا۔سب دوستوں نے حسبِ استطاعت اس کارِخیر میں حصہ لیا۔ایک دوست اس علاقہ میں ایک معروف ٹھیکیدار تھے۔ان کے بارے میں علم ہوا۔دوستوں کوامید تھی کہ یہ صاحب مالی وسعت رکھتے ہیں۔ان سے پانچ ہزارروپے تومل ہی جائیں گے۔ان سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے پچاس روپے دینے کا وعدہ کیا۔ہمیں اس سے سخت مایوسی ہوئی۔اس روز شام کوائر بیس ایک احمدی ونگ کمانڈر صاحب کے گھر کسی کام کے لئے جاناہوا۔ابھی میں گھر میں داخل ہی ہوا ہی تھا۔مجھے دیکھ کر کہنے لگے،مربّی صاحب مبارک ہو سرگودھا سے ایک ڈاکٹرصاحب نے پانچ ہزارروپے ہماری مسجد کے لئے بھیج دئے ہیں۔اتفاق سے ان تینوں کرداروں کا ایک ہی نام تھا۔

عَسٰی اَنْ تَکْرَہُوْا شَیْئًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ

اب ضیائی دورکے تاریک کارناموں کا ذکر ہوجائے۔جب ضیاءالحق نے جماعتِ احمدیہ کو کینسر قرار دے کراسے مٹانے کی ہرممکنہ کوشش کی۔لیکن سنّتِ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مورد بن گیا۔

اس دور میں ائرفورس میں احمدی ملازمین کو ایک سائڈ پر

کرنے کی خاطر انہیں غیر اہم مراکز میں تعینات کر دیا گیا۔ اتفاق سے ان کی نگاہ میانوالی ہیں پر پڑی جس کے نتیجہ میں بہت سارے احمدی ملازمین میانوالی پہنچ گئے۔ اس دور میں میانوالی میں مقامی جماعت کے صرف چند گھرانے تھے، لیکن ان ملازمین کی آمد سے ہماری جماعت خاصی بڑی ہوگئی۔ جمعہ کے روز مسجد بھر جاتی۔ ان میں بڑے بڑے افسران اور دیگر شعبہ جات سے سب ہی مخلصانہ طور پر جماعت سے وابستہ تھے۔ ان سب نے مسجد کی تعمیر میں ہر قسم کا تعاون کیا۔ فَجَزَاھُمُ اللہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء

الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام
نُصِرْتُ بِالرُّعْب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہامًا وعدہ فرما رکھا ہے۔ دشمن پر آپ اور آپ کے ماننے والوں کا رعب رہے گا۔ جو ہم اپنی روزمرّہ زندگیوں میں باوجود اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے مشاہدہ کرتے ہیں۔

خاکسار کو پاکستان میں ایک لمبا عرصہ بطور مربی سلسلہ خدمت کی توفیق ملی۔ اس دوران میں نے ہمیشہ یہ دستور اختیار کر رکھا تھا کہ جہاں بھی کسی اجنبی سے کہیں بھی ملاقات ہوتی۔ تو سب سے پہلے میں اسے یہ بتا دیتا تھا کہ میں جماعتِ احمدیہ کا مربی ہوں۔ عجیب اتفاق کی بات ہے، کہ حضرت مسیح موعود کے الہام اور خدائی وعدہ کی برکت سے کبھی بھی کسی نے بدتمیزی نہیں کی، بلکہ ہمیشہ ہی احترام کیا۔ یہی طریق میں نے میانوالی میں بھی اختیار کیا جس کی وجہ سے ہر کسی نے اپنوں اور غیروں نے احترام کی نگاہ سے دیکھا۔ الحمدللہ

جماعتِ اسلامی کے ممبرز سے ملاقات

میانوالی میں ایک بہت ہی شریف النفس پروفیسر تھے۔ جن کا نام منوّرعلی صاحب تھا۔ مقامی کالج میں انگریزی پڑھاتے تھے۔ شعروشاعری سے بھی شغف تھا۔ شہر میں ایک ادبی تنظیم کے سرگرم کارکن بھی تھے۔ ایک دفعہ ان سے ملاقات ہوئی، انہیں بتایا کہ میں یہاں جماعت کا مربی ہوں۔ بڑے تپاک سے ملے۔ میں نے ان سے درخواست کی اگر ممکن ہو تو مجھے انگریزی کے اسباق دے دیا کریں، جو انہوں نے بخوشی قبول کر لیا۔ یہ دراصل ملاقات کا ایک بہانہ تھا۔ میں کئی دفعہ ان کے دولتخانہ پر حاضر ہوتا۔ ہمیشہ ہی احترام سے پیش آتے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک روز میں کسی کام کے سلسلہ میں انہیں ملنے کے لئے کالج گیا۔ اس تعلیمی ادارہ میں جانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ کالج کی عمارت میں پہنچا وہاں اس وقت بریک ٹائم تھا۔ اس لئے ہر طرف طلبہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میں نے ایک طالبعلم سے پوچھا کہ میں نے پروفیسر ڈاکٹر منوّرعلی صاحب سے ملنا ہے۔ اس نے مجھے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ میں نے جواب میں بتایا کہ میرا نام منوّر احمد ہے اور میں جماعتِ احمدیہ کا میانوالی میں مربی ہوں۔ اس پر اس نے دور کھڑے ایک نوجوان کو آواز دی، ادھر آؤ، دیکھو یہ جماعت احمدیہ میانوالی کا ناظم ہے۔ میں بڑے اعتماد سے ادھر کھڑا رہا۔ اتنے میں پانچ چھ اور طالبعلم بھی ادھر آ گئے۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ ہم جماعتِ اسلامی کی تنظیم کے ممبرز ہیں۔ میں نے کہا مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ میری رہائش شہر میں ہے۔ آپ اگر میرے پاس تشریف لائیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ تھوڑی دیر بات چیت ہوئی۔ بہرحال انہوں نے میرا بڑا احترام کیا۔ بلکہ ان میں سے ایک نوجوان کئی دفعہ مسجد میں مجھے ملنے بھی آتا رہا۔ وہ بی اے کا طالب علم تھا۔ میں نے اسکی عربی کورس کے سلسلہ میں ممکنہ معاونت اور راہنمائی بھی کی۔

دلچسپ تبلیغی واقعہ

ایک دن میں گجرات سے میانوالی بس پر جا رہا تھا۔ منڈی بہاؤالدین سے ایک دوست بس میں سوار ہوئے اور میرے ساتھ والی سیٹ پر تشریف فرما ہوگئے۔ علیک سلیک ہوئی۔ میرے پاس بخاری شریف تھی۔ سوچا تھا، سفر اچھا گزر جائے گا۔ جونہی سفر شروع ہوا۔ دوست کہنے لگے بھائی صاحب یہ کونسی کتاب ہے۔ میں نے عرض کی یہ حدیث کی کتاب ہے۔ انہوں نے چند ایک سوالات حدیث کے بارے میں پوچھے جن کے جوابات حسبِ علم دے دئے پھر کہنے لگے کہاں جانا ہے میں نے بتایا کہ میانوالی کا ارادہ ہے۔ کہنے لگے کیا کام کرتے ہیں میں نے بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کا مربی ہوں۔ کہنے لگے یہ احمدی کیا ہوتا ہے۔ میں نے حسبِ علم جوابات دینے شروع کر دئے۔ پڑھے لکھے دوست تھے۔ انہوں نے کافی سوالات پوچھے جن کے میں نے جوابات دئے۔ سرگودھا سے کچھ قبل چکیاں موڑ کا سٹاپ آتا ہے۔ میں نے عرض کی میں نے اب یہاں سے دوسری بس لینی ہے۔ ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد کہنے لگے الحمدللہ سفر اچھا گزر گیا ہے۔ میں دو گھنٹے تک اپنے گھر ربوہ پہنچ جاؤں گا۔ دراصل وہ احمدی دوست تھے، منڈی بہاؤالدین کے علاقہ میں کسی ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ لیکن کیا زمانہ تھا، شرافت زندہ تھی ۔ برداشت اور رواداری کسی حد تک معاشرہ میں تھی۔ ہم لوگ اونچی آواز میں بات چیت کرتے رہے، کسی نے نہ برا منایا، بلکہ دیگر مسافر بھی سنتے رہے۔

عیسیٰ خیل

میانوالی کی تحصیل عیسیٰ خیل ہے۔ یہ شہر بہت ساری بنیادی ضروریات حیات سے محروم ہے۔ ہمارے ایک احمدی دوست عیسیٰ خیل کالج میں بطور لیکچرار خدمات بجا لا رہے تھے۔ ایک دفعہ میں انہیں ملنے وہاں گیا۔ ان کا قیام کالج کے ہاسٹل میں تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے روم میٹ ایک شریف النفس غیراز جماعت دوست تھے۔ میں نے احمدی دوست سے عرض کی کیا ہمیں اس ماحول میں تبلیغ کرنی چاہیے۔ کہنے لگے دل کھول کر تبلیغ کریں۔ مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ارباب اختیار میرا تبادلہ کہیں اور کر سکتے ہیں۔ اور یہ سودا مہنگا نہیں ہوگا کیونکہ پنجاب بھر میں اس سے زیادہ کوئی مشکل مقام نہیں ہے۔ غیراز جماعت دوست کہنے لگے۔ اس شہر کا نام اصل میں عیسیٰ جیل تھا جو غلطی سے عیسیٰ خیل بن گیا ہے۔ یعنی یہ شہر ہر قسم کی بنیادی سہولیات زندگی سے محروم ہے۔

کیا ہمیں معذور کیا جا رہا ہے

جب ہم لوگ عیسیٰ خیل جا رہے تھے۔ رستہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک پہاڑی کے دامن میں کافی لوگ مجمع لگائے بیٹھے ہیں اور خواتین دوسری جانب ڈیرہ لگائے بیٹھی ہیں۔ ڈھول بج رہے ہیں۔ چند نوجوان محوِ رقص ہیں۔ ایک جانب بڑی بڑی دیگیں پک رہی ہیں۔ سوچا کہ کوئی تقریب ہے۔ لیکن اگلے روز جب ہم واپس آ رہے تھے۔ تو پھر وہی صورت حال تھی۔ استعجابًا ایک دوست سے استفسار کیا کہ کبھی یہاں کیا ہو رہا ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ افغان مہاجرین ہیں۔ یہ ان کا روزمرّہ کا معمول ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ ان کے نان ونفقہ کی ذمہ دار ہے اور یہ لوگ سالہا سال سے ایسے ہی مزے کر رہے ہیں۔ یہیں ان کی نسلیں پیدا ہو کر جوانی کی دہلیز پر آ پہنچی ہیں۔

کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ قبل انڈیا میں کچھ شیروں کو بعض نامساعد حالات کی وجہ سے چڑیا گھروں سے نکال کر جنگل میں چھوڑ دیا گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ان شیروں کو دیگر جنگلی جانور کھا گئے ہیں کیونکہ حالت قید میں بغیر محنت و مشقت وافر کھانا ملنے کی وجہ سے وہ شکار کرنا بھول گئے تھے۔ ان کی بہادری اور شکار کرنے کی صلاحیت معدوم ہو گئی جس کی وجہ سے وہ خود اپنے سے کمزور جانوروں کا شکار بن کر لقمہ اجل بن گئے۔

کالا باغ

۱۹۸۲ میں خاکسار کالا باغ جایا کرتا تھا۔ ان دنوں کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا میڈیا پر بڑا چرچا تھا۔ مختلف ٹیمیں اپنے اپنے مفوضہ کام سرانجام دے رہی تھیں۔ ایک احمدی انجینئر بھی کالا باغ میں ڈیم سے متعلقہ کسی ٹیم کے ممبر تھے۔ کبھی کبھار خاکسار انہیں ملنے جایا کرتا تھا۔ ۱۹۸۳ میں میں بیرونِ ملک چلا گیا۔ لیکن سننے میں یہی آتا ہے کہ ابھی تک کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا پروگرام زیرِ غور ہے۔

انسان جانور کے خادم

ربوہ کے ایک نوجوان وٹرنری ڈاکٹر صاحب ایک دفعہ میرے پاس میانوالی تشریف لائے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ امیر محمد خان نواب آف کالا باغ کے فرزندان کے ملازم ہیں۔ داؤد خیل سے راولپنڈی روٹ پر کئی کلو میٹر پہاڑی وادی ان کی ملکیت ہے؛ جہاں ان کے جانوروں کی طبی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ پہاڑیوں کے درمیان جانوروں کا مختصر سا اسپتال ہے۔ جہاں وہ چند دیگر کارکنان کے ساتھ ایک کوارٹر میں رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے وہاں آنے کی دعوت دی۔ ایک روز میں قریبی سٹیشن پر اترا اور پھر کافی دور چل کر ان کے ہاں پہنچ گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہاں میل ہا میل تک کوئی انسانی آبادی نہیں ہے صرف جانور ہیں جن کی دیکھ بھال پر یہ لوگ مامور ہیں۔ بسا اوقات تو ایک گدھے، بھیڑ، بکری کی تیمارداری کے لئے دور دراز پیدل جا کر انہیں طبی سہولت فراہم کرنی پڑتی

ہے۔ایک بات بڑی دلچسپ یہ تھی کہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں آبی ذخائر نہ ہونے کے برابر تھے۔جس کی وجہ سے یہاں کے جانور کافی عرصہ پانی کے بغیر بھی گزارہ کر سکتے ہیں۔اللہ تعالی نے ان کو ایسا نظام ودیعت کیا ہوا ہے کہ وہ سبز گھاس وغیرہ میں جو پانی کی مقدار ہوتی ہے۔اسی پر ہی اکتفا کر سکتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب بڑے ہی مہربان دوست تھے۔

بزرگ سب کے سانجھے ہوتے ہیں

جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا وصال ہوا۔اس زمانہ میں ٹیلیفون کی سہولت عام نہ تھی۔ایک دوست جو ائرفورس میں تھے انہیں کسی طرح یہ افسوس ناک خبر ملی اور انہوں مجھے آ کر بتایا کہ حضور کا اسلام آباد میں انتقال ہوگیا ہے۔میں نے سوچا پہلے اس کی تصدیق کر لینی چاہیے۔کہیں یہ کسی دشمن نے نہ اڑائی ہو۔رات کا وقت تھا۔اسی وقت ٹیلیفون ایکسچینج گیا ۔ اسلام آباد مشن ہاؤس میں فون کیا،وہاں پر مکرم عبدالرشید یحیٰ صاحب مربیٔ سلسلہ اسلام آباد سے بات ہوئی۔انہوں نے اس اندوہناک سانحہ کی تصدیق کر دی۔میں نے آپریٹر صاحب سے بل کے لئے درخواست کی۔تو اس شخص نے عجیب جواب دیا۔کہنے لگا،جی کوئی بل نہیں۔بزرگ سب کے سانجھے ہوتے ہیں۔یہ واقعہ بھی اس دور کی عکاسی کرتا ہے۔جب شرافت زندہ تھی۔

اطمینانِ قلب کی تلاش میں

میانوالی ضلع میں ایک قصبہ جس کا نام اب مجھے یاد نہیں ہے۔وہاں پر ایک احمدی ڈاکٹر صاحب سرکاری اسپتال میں متعین تھے۔ان کے پاس مقامی آبادی میں سے ایک مریضہ آیا کرتی تھی۔جنہیں ڈاکٹر صاحب نے بڑی حکمت سے دعوتِ حق دینی شروع کر دی۔اس نیک دل خاتون کو ڈاکٹر صاحب کی باتیں اچھی لگنی شروع ہوگئیں۔آہستہ آہستہ وہ دینِ حق کی طرف مائل ہوگئیں اور کچھ عرصہ کے بعد اس نے بیعت کرلی۔ اس خاتون کے علاقہ میں دور دور تک کوئی احمدی نہ تھا۔اس کے میاں اس علاقہ کے ایک معروف زمیندار تھے۔

ایک دفعہ مکرم مومن صاحب جو ائرفورس میں ایک مخلص آفیسر تھے۔ایک سرکاری جیپ لے کر آئے۔ہم پانچ چھ خدّام ان کے ڈیرے پر پہنچے۔انہوں نے ہمیں بڑے پرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا۔بعد ازاں میں جلد افریقہ آ گیا۔اس کے بعد کے حالات سے خبر نہیں۔

کالا باغ ڈیم

1982ء میں خاکسار کالا باغ جایا کرتا تھا۔ان دنوں کالاباغ ڈیم کی تعمیر کا میڈیا پر بڑا چرچا تھا۔مختلف ٹیمیں اپنے اپنے مفوضہ کام سرانجام دے رہی تھیں۔ایک احمدی انجینئر بھی کالاباغ میں ڈیم سے متعلقہ کسی ٹیم کے ممبر تھے۔کبھی کبھار خاکسار انہیں ملنے جایا کرتا تھا۔1983ء میں میں بیرون ملک چلا گیا۔لیکن سننے میں یہی آتا ہے کہ ابھی تک کالاباغ ڈیم کی تعمیر کا پروگرام زیرغور ہے۔

ایک سبق آموز حکایت
جہاں پھول وہاں کانٹا

کہتے ہیں:ایک بڑھیا کا ایک ہی بیٹا تھا۔جسے وہ دوسری ماؤں کی طرح اپنے بیٹے سے بہت زیادہ پیار کرتی تھی۔ اتفاق سے بچہ بیمار ہوا اور کچھ عرصہ کی علالت کے بعد ماں کو داغِ ہجرت دے کر ابدی نیند سو گیا۔اس دلخراش حادثہ نے ماں کو ہلا کر رکھ دیا۔اس کی دنیا لُٹ گئی۔وہ حواس باختہ ہو کر اپنے مرحوم بیٹے کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہوگئی۔ہر کسی کے پاس مدد کی درخواست کرتی کہ کسی طرح اس کا کھویا ہوا بیٹا اسے واپس مل جائے۔کسی نے اسے بتایا کہ فلاں مقام پر ایک بزرگ اور خدارسیدہ بزرگ ہیں۔ممکن ہے وہ تمہاری مدد کرسکیں۔بڑھیا ان کے درِدولت پر پہنچی،اپنی آہ و فغاں اور درد بھری بِپتا سنائی اور دادرسی کی درخواست کی۔

بزرگ نے بڑی ہمدردی کے ساتھ اس دل شکستہ بڑھیا کی داستان سنی،اس سے اظہارِ ہمدردی کیا اور دلجوئی کی خاطر اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا اور بڑھیا سے کہا تم کسی ایسے گھر سے چند گھونٹ پانی لے آؤ جن کے گھر میں کوئی فوت نہ ہوا ہو تو میں اس کے ذریعہ تمہاری مدد کرسکتا ہوں اس پر وہ بڑھیا خوشی خوشی ایک قریبی گھر میں گئی اور پوچھا کیا آپ کے گھر میں کوئی فوت ہوا ہے۔انہوں نے بڑے دکھ سے اپنے کئی پیاروں کی جدائی کا قصہ سنا ڈالا۔اس کے بعد بڑھیا اگلے گھر پہنچی اس نے اپنا سوال دوہرایا اسے وہاں سے بھی وہی جواب ملا اس طرح بڑھیا بہت سے گھروں میں پہنچی ہر جگہ سے اسے سوائے مایوسی اور ناامیدی ہوئی۔اس پر اسے احساس ہوا اور سمجھ گئی کہ موت وحیات کا سلسلہ اٹل ہے اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔اس کا واحد علاج صبر ہے۔اسی طرح ہر آدمی کی زندگی میں مختلف قسم کے امتحان اور مشکلات ہوتی ہیں،لیکن ہر ایک کی کیفیت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے۔

ایک دن ہم چند دوست میانوالی میں ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر کے گھر کسی کام کی غرض سے گئے۔ان کا عالیشان بنگلہ،نوکر چاکر اور دنیاوی جاہ وجلال واقعی متأثرکن اور ان کی خوش وخرم زندگی کی غمّازی کر رہے تھے۔ملاقات کے بعد جب ہم لوگ گھر سے باہر نکل رہے تھے ہمیں ایک جانب سے عجیب وغریب چیخ و پکار کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ہم نے ایک ملازم سے پوچھا یہ کیسی آوازیں ہیں۔اس پر اس نے بتایا صاحب خانہ کا ایک نوجوان بیٹا مخبوط الحواس ہے۔جسے ایک پنجرہ نما کمرے میں بند کر رکھا ہے۔کیونکہ وہ مارپیٹ بھی کرتا ہے۔ہمیں یہ نظارہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی۔بظاہر دیکھنے میں موصوف کی زندگی بڑی ٹھاٹھ باٹھ کی تھی۔دیکھنے والے اسے بڑا ہی خوش وخرم زندگی بسر کرنے والوں میں گردانتے ہونگے لیکن حقیقت میں اس کی بے بسی،بے کسی اور قلبی دکھ کا کون ادراک کرسکتا ہے۔

ایک نوجوان کا وقارعمل

میانوالی میں مسجد زیر تعمیر تھی۔ایک روز مسجد میں وقارعمل کے لئے اعلان کیا گیا۔مقررہ دن پر کافی احباب تشریف لائے۔ان میں اکثر سرکاری ملازمین تھے۔ان میں سے ایک خاصی تعداد سرکاری افسران کی تھی۔

اگلے روز ایک نوجوان جو کہ ائرفورس میں فلائیٹ لیفٹیننٹ تھے۔اور میانوالی بیس میں متعین تھے۔خاکسار کے پاس آئے اور کہنے لگے،کل کسی مصروفیت کی بنا پر میں نہیں آسکا اس لئے معذرت خواہ ہوں۔آج میں فارغ ہوں اس لئے اب حاضر ہوگیا ہوں۔مجھے کوئی کام بتائیں کہ میں کیا کام کرسکتا ہوں۔انہیں بتایا کہ ہم نے تو رستہ سے اینٹیں اٹھائیں تھیں۔اس پر وہ کافی دیر تک اینٹیں گلی سے اٹھاتے رہے جن کی وجہ سے رستہ بلاک تھا۔آج تک میرے دل ودماغ میں اس نوجوان آفیسر کیلئے جماعت کے ساتھ اخلاص ومحبت اور اطاعت کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔

بقیہ: فرمان خلیفۂ وقت...... از صفحہ 1

احکام ہیں، سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ کسی بھی اچھی بات کا یا نصیحت کا فائدہ تبھی ہوسکتا ہے جب وہ نصیحت پڑھ یا سن کر اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی ہو رہی ہو گی۔ کیونکہ تلاوت کا ایک مطلب پیروی اور عمل کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ فرما دیا ہے کہ یہ قرآن میں نے تمہارے لئے، ہر اس شخص کے لئے جو تمام نیکیوں اور اچھے اعمال کے معیار حاصل کرنا چاہتا ہے اس قرآن کریم میں یہ اعلیٰ معیار حاصل کرنے کے لئے تمام اصول اور ضابطے مہیا کر دیئے ہیں۔ ہر قسم کے آدمی کے لئے، ہر قسم کی استعداد رکھنے والے کے لئے، اور نہ صرف یہ کہ جیسا کہ مَیں نے کہا کسی خاص آدمی کے لئے نہیں رکھے ہیں بلکہ ہر طبقے اور ہر معیار کے آدمی کے لئے رکھے ہیں۔ اور اس میں ہر آدمی کے لئے نصیحت ہے وہ اپنی استعداد کے مطابق سمجھ لے۔فرمایا کہ وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ (القمر:18)۔ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کی خاطر آسان بنا دیا ہے۔ پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔ اب یہ ہمارے پر ہے کہ ہم اس تعلیم کو کس حد تک اپنے اوپر لاگو کرتے ہیں اور اس کی تعلیمات سے نصیحت پکڑتے ہیں۔ پس آج ہر احمدی کا فرض ہے کہ اس رمضان میں اس نصیحت سے پُر کلام کو، جیسا کہ ہمیں اس کے زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی توفیق مل رہی ہے، اپنی زندگیوں پر لاگو بھی کریں۔ اس کے ہر حکم پر جس کے کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کریں۔ اور جن باتوں کی مناہی کی گئی ہے، جن باتوں سے روکا گیا ہے ان سے رکیں، ان سے بچیں، اور کبھی بھی ان لوگوں میں سے نہ بنیں جن کے بارے میں خود قرآن کریم میں ذکر ہے۔

(خطبۂ جمعہ فرمودہ 21 اکتوبر 2005ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

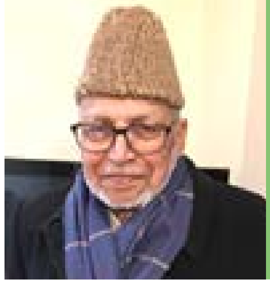

از مجید احمد سیالکوٹی۔ برطانیہ

محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد سے وابستہ ناقابلِ فراموش یادیں

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے پوتے اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ مرحوم سابق ناظر اعلیٰ ربوہ کے صاحبزادے مرزا غلام احمد صاحب ناظر اعلیٰ ربوہ کی المناک وفات پر ہمارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ (مسجد بیت الفتوح لندن) میں بڑی تفصیل سے ان کی سوانحِ حیات اور جماعتی خدمات کا ذکرِ خیر فرما کر زبردست خراجِ تحسین پیش کیا اور دنیا بھر کے احمدیوں کو یہ پیغام دیا کہ وہ ان کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے احمدیت کی شمع کے جانثار پروانے بنیں۔ ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد المعروف میاں احمد کی والدہ ماجدہ حضرت سید میر محمد اسحاق صاحبؓ کی بیٹی تھیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اہلیہ حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ کی بھتیجی تھیں۔ حضرت اماں جانؓ کا خاندان دہلی کے اولیاء اللہ سے نسبت کی وجہ سے بڑا معزز جانا جاتا تھا۔ اس طرح میاں احمد صاحب نجیب الطرفین ہوئے۔ پیدائشی طور پر ان کے خمیر میں نیکی گوندھی گئی تھی۔ یہ قدرت کی دین تھی جو آپ کو عطا ہوئی تھی۔ مزید برآں یہ کہ میاں احمد صاحب نے دنیاوی اعلیٰ تعلیم پا کر سندات حاصل کر کے اپنے آپ کو علم وفضل کے زیور سے آراستہ کیا اور خاندانِ مسیح موعودؑ میں ممتاز ہوئے۔

آپ نے دنیاوی خواہشوں اور سندات کو چھوڑ چھاڑ کر دین کو دنیا پر مقدم کیا اور زندگی وقف کر کے دین کی راہ لی۔ ہاں وہ راہ جو مشکل ترین راہ ہے، جب اس راہ کے مسافر بنے اور وقف کی چھُری کے نیچے گردن دے دی تو پھر سارے دنیاوی القاب ترک کر دیے اور جماعت میں میاں احمد کے نام سے معروف ہوئے۔

آپ خاندانِ مسیح موعودؑ کے چشم وچراغ تھے اس لیے خاندانی طور پر ایک پُرکشش اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ وقار اور وضعداری نمایاں تھی، لیکن وقف کی چادر نے ان پر عاجزی اور مسکینی کو غالب کر دیا تھا۔ ایک بڑے سنجیدہ مزاج دانشمند ہو گئے تھے۔

محترم میاں احمد سے خاکسار کا تعارف غالباً 1963 میں میرے محسن وشفیق استاد اور سرپرست سید میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ نے کروایا۔ جب آپ وقف کر کے ریویو آف ریلیجنز کے لیے مقرر ہوئے اور حضرت علی محمد صاحبؓ بی ٹی ایڈیٹر کے ساتھ نائب کے طور پر کام شروع کیا ان کا دفتر جامعہ احمدیہ کی بلڈنگ میں ہی تھا۔ میاں احمد صاحب حضرت سید داؤد احمد صاحب کے بھانجے تھے اور میر صاحب رسالہ کے نگران اعلیٰ تھے۔ خاکسار کو حضرت میر صاحب افسر جلسہ سالانہ نے اپنے ساتھ بطور معاونِ خاص کے رکھا ہوا تھا۔ خاکسار جلسہ سالانہ کے دنوں میں آپ کے ساتھ ڈیوٹی بجا لاتا تھا جو متواتر آٹھ سال تک ادا کرنے کی توفیق ملی، الحمد للہ۔ اس عرصہ میں جلسہ سالانہ کے بابرکت ایام میں میاں احمد صاحب سے اکثر واسطہ پڑتا تھا۔ ان کی شخصیت کا ایک خاص تاثر میرے ذہن پر نقش ہو گیا تھا۔ ان کی کمپنی اور حلقۂ احباب میں میرے کلاس فیلو خلیفہ صباح الدین مرحوم مربی سلسلہ اور نواب منصور احمد خان صاحب ہوتے تھے، جو چائے وغیرہ پر اکٹھے نظر آتے تھے۔

میاں احمد صاحب کے یارِ خاص سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم ناظر اشاعت تھے جو اکثر گول بازار میں ایک چائے خانہ ''نعمت کدہ'' میں نظر آتے تھے۔ خاکسار بھی بعض اوقات خلیفہ صباح الدین صاحب کے ہمراہ ان کی کمپنی میں شامل ہو کر ان کی گفتگو کو سنتا اور لطف اندوز ہوتا اور ان سے کافی اچھی باتیں سننے کو ملتیں۔ ان کا اندازِ گفتگو بڑا ہی سلجھا ہوا اور پاکیزہ ہوتا جو بالعموم جماعتی کاموں کے متعلق ہوتا یا جماعتی مسائل وحالاتِ حاضرہ پر مشتمل ہوتا۔ ان کی گفتگو بہت اعلیٰ سطح کی ہوتی اس لیے ان کی بعض باتیں میرے سر کے اوپر سے گزر جاتیں۔ بایں ہمہ وہ کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ کوئی بالاتر یا بڑے تعلیم یافتہ ہیں، بلکہ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے اور یہ بات ان کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت میر صاحب نے تو بحیثیت سرپرست میری تربیت کے لیے اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا تا کہ میں جماعت کا خادم بنوں اور صحیح تربیت پاؤں۔ انہوں نے میرے اعتماد کو بڑھا کر پُراعتماد کر دیا۔ خلیفہ صباح الدین کے گھر تو اکثر سبق کی دُہرائی اور امتحان کی تیاری کیلیے جانا ہوتا تھا اور ان سے ذرا بے تکلفی تھی۔

حضرت سید میر داؤد احمد صاحب کو میاں احمد صاحب سے غیرمعمولی محبت تھی۔ ہمہ وقت ان کی تربیت میں لگے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت میر صاحب نے مجھے بتایا کہ خاندان میں میاں احمد کی فیملی میں سب سے زیادہ ایم اے پاس ہیں، اعلیٰ تعلیم اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کے والد حضرت مرزا عزیز احمد صاحبؓ ایم اے، بھائی میاں خورشید صاحب بھی ایم اے اور بیگم صاحبزادی امتہ القدوس صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ بھی ایم اے۔ گویا گھر کے اکثر افراد ایم اے پاس ہیں۔ اُس زمانے میں ایم اے ہونا بہت بڑی بات سمجھی جاتی تھی۔

حضرت میر صاحب میاں احمد کی محنت اور کام کے طریق کو بہت پسند کرتے اور سراہتے تھے۔ میاں احمد کو ریویو آف ریلیجنز کی پروف ریڈنگ میں کمال حاصل ہو گیا اور حوالوں کی چیکنگ تو ان پر ختم تھی۔ سلسلہ کے مسائل میں پیش آنے والے حوالوں کی بذات خود از سرنو ریسرچ کی اور تصحیح کی۔ اصل کتب وماٰخذ تک پہنچے اور جب پوری تسلی ہو گئی تو پھر ہمیں بعض اوقات اپنی مجلس میں بتاتے کہ تم لوگ ملک خادم صاحب کی پاکٹ بک یا دوسرے علمائے سلسلہ کی کتب کے حوالوں پر نہ رہا کرو، ان کے حوالوں کو اصل ماخذوں سے چیک کر لیا کرو، کیونکہ غیروں سے بحث کرتے وقت غلط حوالہ پیش کرنے سے بہتر ہے کہ اس عنوان پر بات ہی نہ کرو۔

وفاتِ مسیح، امکانِ نبوت، آمدِ مسیح ومہدی، ختمِ نبوت، صداقتِ مسیح موعودؑ سے متعلق تمام حوالے ان کو ازبر تھے اور بڑے ٹھوس ثبوت کے ساتھ بات کرتے تھے۔ اس پہلو سے ہم نے میاں احمد سے بڑے کام کا نکتہ سیکھا جو میدانِ عمل میں بہت کام آیا۔ یقیناً اس کا ثواب میاں احمد کو پہنچتا رہے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی یہ دعا میاں احمد کو لگی ہوئی تھی کہ میرے ماننے والے علم ومعرفت میں کمال حاصل کریں گے۔ میاں احمد پر یہ پیشگوئی چسپاں ہوتی نظر آتی تھی۔ بے شک حوالوں کے بادشاہ مولانا دوست محمد صاحب تھے لیکن حوالوں کی تحقیق وپڑتال کے بادشاہ میاں احمد تھے۔

میاں احمد جب صدر خدام الاحمدیہ منتخب ہوئے تو ان کی انتظامی صلاحیتوں اور انداز تقریر نے خدام کی تنظیم کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ان کے کام پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ میاں احمد نے یہ اعزاز اس لیے پایا کہ انہوں نے خدام میں خلافت سے محبت کو اجاگر کیا، اخلاص ووفا اور عشق کے ساتھ خلافت کی تابعداری کرنے کا درس سکھایا۔ میاں احمد کی صدارت کا عجیب دور تھا۔ ہر طرف بڑی بیداری تھی، جلسے اور اجتماع ہوتے تھے۔ خدام بڑے جذبے سے ڈیوٹیاں دیتے نظر آتے تھے۔ خلیفۂ وقت کے اردگرد ایسے گھومتے نظر آتے جیسے شمع کے گرد پروانے۔ جلسہ سالانہ پر ان کا کام اور جذبہ قابلِ رشک ہوتا تھا۔

حضرت میر داؤد احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ نے میاں احمد کو شعبہ لیبر کا افسر مقرر کر کے ان کو بڑا ذمہ دار منتظم بنا دیا تھا۔ ان کے ساتھ نواب منصور احمد خان صاحب کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ دونوں میں بڑی ہم آہنگی (understanding) تھی۔ ان کی ٹیم اس مشکل ترین شعبے کو بخوبی سنبھالتی، سارے ٹھیکیدار نانبائی وغیرہ میاں احمد سے رجوع کرتے۔ لاہور، فیصل آباد وغیرہ سے آئے ہوئے ٹھیکیداروں سے ڈیل کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یہ لوگ میاں احمد کا سر کھپاتے اور دن رات مصروف رکھتے۔ میاں احمد تھے کہ اپنے آرام، نیند کا کچھ خیال نہ کرتے۔ ہاں، یاد آیا کہ فیصل آباد کے ایک خادم محمود صاحب ایڈوکیٹ کا میاں صاحب کا بہت ساتھ دیتے اور مزدوروں، ٹھیکیداروں کو سنبھالنے میں مدد کرتے۔

وہ سب نظارہ آج بھی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چل رہا ہے۔ بڑا روح پرور منظر ہوتا تھا۔ میاں احمد بعض اوقات ہمیں پریشان لگتے تھے، مگر وہ اپنے لباس اور وضع قطع سے بے پروا اپنی ڈیوٹی میں مصروف رہتے تھے۔ جب وہ افسر جلسہ کے دفتر میں آتے تو چہرہ اور آنکھیں تھکان کی غمازی کرتے دکھائی دیتے۔ بالآخر ایک دن حضرت میر صاحب افسر جلسہ سالانہ نے میاں احمد کو حکم دیا کہ تم ابھی گھر جاؤ اور دو گھنٹے میں اپنی نیند پوری کر کے تازہ دم ہو کر آؤ تا کہ کل کو لنگر خانہ نمبر 1 پر متوقع پریشر کو برداشت کر سکو۔ میں اس واقعہ اور منظر کا گواہ ہوں۔ بندہ کام کرے تو ایسا کرے جیسا میاں احمد کیا کرتے تھے۔ ان کے معاونین کی ٹیم بھی ان سے خوب تعاون کرتی تھی۔ نواب منصور خان صاحب بھی جان مار کر کام کرتے کیونکہ افسر بھی ایسا ہی ملا تھا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ میاں احمد افسر جلسہ سے کہنے لگے کہ مجید کیا کرتا ہے؟ اسے تو کوئی کام ہی نہیں، بس آپ کے ساتھ جیپ پر لنگر خانوں، قیام گاہوں کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ حضرت میر صاحب کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ فرمانے لگے: احمد! تم اپنے شعبہ پر نظر رکھو، اس کی فکر نہ کرو۔ یہ میرے ساتھ رہتا ہے اور میں اس سے کام لیتا ہوں اور وہ مجھے پتا ہے۔ میر صاحب کی اس بات نے میاں احمد کو بھی خاموش کر دیا اور میرا دل بھی رکھ لیا بلکہ جیت لیا۔ یہ واقعہ میں نے جان بوجھ کر تحریر کیا ہے کیونکہ یہ حضرت میر صاحب کی عظمت کی ایک مثال ہے اور میاں احمد کے لیے بھی اس میں ایک سبق تھا کہ کسی کے کام میں دخل اندازی کرنا مناسب نہیں۔ اس واقعہ کے بعد تو میاں احمد کا خوف میرے دل پر بیٹھ گیا اور زندگی بھر رہا۔ اسی طرح حضرت میر صاحب کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ انہوں نے میرا بھرم رکھا۔

ایک اور سنہری منظر جو اکثر میری نظروں کے سامنے آتا رہتا ہے وہ میاں احمد کے اعلانِ نکاح کے موقع کا ہے۔ 28 دسمبر 1964 کے جلسہ سالانہ کے موقع پر نمازِ ظہر وعصر جلسہ گاہ میں محترم مولانا جلال الدین شمس صاحب کی اقتدا میں جمع کر کے پڑھی گئیں جس کے بعد محترم شمس صاحب نے بعض نکاحوں کا اعلان فرمایا۔ ان میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو نکاح بھی شامل تھے۔ یعنی محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے فرزندِ ارجمند صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب ایم اے کا نکاح صاحبزادی

امتہ الحسیب صاحبہ بنت محترم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کے ساتھ بعوض پانچ ہزار روپیہ حق مہر طے پایا۔ مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایم اے ابن حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کا نکاح صاحبزادی امتہ القدوس صاحبہ بنت حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے ہمراہ بعوض دس ہزار روپیہ حق مہر قرار پایا۔

(بحوالہ الفضل 28/ دسمبر 1964ء)

یوں میاں احمد صاحب اور صاحبزادی امتہ القدوس (بی بی قوسی) کی مثالی جوڑی بنی۔ اسی موقع پر کچھ چھوہارے حضرت میر داؤد احمد صاحب نے مجھے پکڑائے ہوئے تھے کہ اعلانِ نکاح کے بعد سٹیج پر بیٹھے بزرگوں میں تقسیم کرنا۔ چنانچہ یہ سعادت خاکسار کو ملی۔ سبحان اللہ! کیا شان تھی میاں احمد صاحب کی جن کو بی بی قوسی جیسا ہمسفر مل گیا، جنہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چل کر زندگی بسر کی اور دونوں نے سلسلہ کی ناقابلِ فراموش خدمات دینیہ بجالانے کی توفیق پائی جو آبِ زر سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس جوڑے کو غیر معمولی صلاحیتوں والے تین بیٹے اور دو بیٹیاں عطا کیں۔ مکرم مرزا فضل احمد صاحب ناظر تعلیم ربوہ، محترم مرزا ناصر انعام صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ یوکے، محترم مرزا احسان احمد صاحب یو ایس اے۔ سچ ہے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

میاں احمد صاحب کی وجہ سے مجھے ان کی اولاد بہت پیاری ہے اور ان سے حقیقی للّٰہی محبت ہے۔ الحمد للہ۔ اور وہ بھی احترام کرتے ہیں۔

آج یہاں خاکسار ایک سربستہ راز کو کھول کر لکھنے کی جسارت کر کے اپنے فرض کو بغرض دعا پورا کرنا چاہتا ہے۔ جلسہ سالانہ ربوہ کے بابرکت ایام میں حضرت میر داؤد احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ نے مجھے بڑے خوشگوار موڈ میں بتایا کہ آج میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو رپورٹ پیش کرتے ہوئے بڑی ذمہ داری سے عرض کر دیا ہے کہ دو بندے میں نے تیار کر دیے ہیں اور وہ ہیں میاں احمد صاحب اور چودھری حمید اللہ صاحب۔ اِن کو جماعت میں جو بھی ذمہ داری اور خدمت کا کام سپرد کر دیں یہ ان شاء اللہ اُس کو سنبھال لیں گے۔

حضرت میر داؤد صاحب سلسلہ کے لیے لیڈر اور خادم تیار کیا کرتے تھے۔ جماعت میں ٹیلنٹ ڈھونڈنا ان کو خوب آتا تھا جو محض للہ ہوتا تھا۔ ہم نے اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں کے سامنے حضرت میر صاحب کی اس بات کو سو فیصد پورا ہوتے دیکھا۔ میاں احمد صاحب ایک روشن ستارے کی طرح دنیائے احمدیت پر جگمگائے اور ناظر اعلیٰ کے مقام تک خدمت کی توفیق پائی۔ ماشاءاللہ خلفائے احمدیت کے سلطانِ نصیر ہوئے۔ دوسری طرف چودھری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ ربوہ کے مقام پر خدمت کی سعادت اور ساری دنیا کے احمدی مشنوں کی نگرانی کی توفیق پا کر چند روز قبل خدا کے حضور حاضر ہو گئے ہیں۔ یقیناً ان کو تیار کرنے میں میر داؤد احمد صاحب کی محنت کا حصہ ہے، کیونکہ آپ قائدگر وجود تھے۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کو مقامِ محمود عطا فرمائے، آمین۔

میاں احمد صاحب کو بطور صدر مجلس انصار اللہ بھی اعلیٰ خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔ ان کے دور کے کارنامے سنہرے حروف سے لکھے گئے ہیں جو تاریخ احمدیت کا حصہ ہے۔ ان کے معاونین نے ان پر کتب اور مقالے بھی یقیناً لکھے ہوں گے یا لکھیں گے۔ مجھے تو اتنا پتا ہے کہ ان کا دور بڑا بابرکت تھا کیونکہ یہ خلیفۂ وقت کی دعا اور اشارے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے اور اپنی مجلس عاملہ اور معاونین کو بھی اسی رنگ میں رنگین کرتے اور تقریر و تحریر میں بھی خلیفۂ وقت کی ہدایت پر عمل کرتے اور کبھی رپورٹ میں کوئی مبالغہ نہیں کرتے تھے۔ بڑے خوش خط تھے اور مختصر الفاظ میں رپورٹ پیش کرتے تھے جو بماقلَّ ودلَّ کی مصداق ہوتی، نہ اپنا وقت ضائع کرتے اور نہ خلیفۂ وقت کا، کیونکہ وہ اس ایمان پر قائم تھے کہ خلیفۃ المسیح کا وقت سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ خلیفۂ وقت ہماری ڈھال ہے، وہ ہے تو ہم ہیں۔ اس کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں، اس کے پیچھے رہ کر کام کرو، بس۔

میاں احمد صاحب تعلق باللہ میں بھی بہتوں سے آگے تھے۔ میں عینی شاہد ہوں۔ ایک دفعہ 1968ء میں ہم مسجد مبارک میں اعتکاف بیٹھے۔ میرا حجرہ مسجد مبارک کی داہنی طرف تھا۔ مکرمہ صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ بیگم حضرت میر داؤد احمد صاحب نے اپنے گھر میں رہنے والے لڑکے ارشد کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ مجھے دو وقت کا کھانا پہنچا دیا کرے۔ حضرت میر صاحب میرے ٹینٹ میں ہی آکر درسِ قرآن سنتے اور جامعہ احمدیہ کے طلبہ کو واچ کرتے تھے۔ ہدایت تھی کہ سب طلبہ درس سننے کے ساتھ ساتھ نوٹس بھی لیا کریں۔ درس دینے والے چوٹی کے علماء تھے۔ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب، حضرت قاضی نذیر احمد صاحب لائلپوری، حضرت مرزا طاہر احمد صاحب، حضرت مولانا عبد المالک خان صاحب وغیرہ۔ میاں احمد صاحب بغور درس سنتے۔ رات کو جب بھی میں نے دیکھا ان کو سجدے میں ہی دیکھا، نوافل میں قیام طویل، رکوع میں طویل جھکاؤ اور سجود میں رقت آمیز کیفیت۔ میں ان کی عملی حالت سے بہت متاثر ہوا کہ یہ پینٹ شرٹ میں حقیقی عبد ہے۔ اعتکاف میں معتکفین اپنی گریہ سے مسجد میں ایک عجیب روحانی اور وجد انگیز ماحول پیدا کرتے تھے۔ میاں احمد صاحب کی عبادت کا طریق مجھے پسند تھا جو اب تک میں محسوس کرتا ہوں کہ میاں احمد صاحب ایک عاجز بندہ جو خدا کے حضور سراپا عبادت گزار تھا۔

محترم میاں احمد صاحب کے سسر بزرگوارم حضرت مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ ربوہ لنگرخانہ نمبر ایک کے نگران اعلیٰ تھے اور اپنے مزدوروں اور کارکنان کو انعام واکرام سے نوازا کرتے تھے۔ کبھی گھبراہٹ یا جلد بازی میں نہ پڑتے۔ لنگرخانہ میں تندوروں سے روٹی وافر مقدار میں تیار کروا کر سٹور کرواتے۔ نان بائی اور مزدور، پیڑے بنانے والیاں سب ہی ان سے بے حد خوش رہتے۔ کیونکہ وہ آرام سے کام کرواتے اور انعامات دے کر دلجوئی کرتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میاں احمد صاحب نے غیرارادی طور پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر کچھ مزدوروں کو جگا دیا۔ وہ اس بات پر ناراض ہو گئے اور ہڑتال کی دھمکی دے دی۔ بڑی مشکل سے ٹھیکیدار نے ان کو سمجھایا، معاملہ ٹھنڈا ہوا۔ ٹھیکیدار میاں احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب سے کہنے لگا کہ ہم تو یہاں جلسہ کی برکتوں کے لیے آتے ہیں ورنہ کمائی تو ہم لاہور و فیصل آباد میں زیادہ کرتے ہیں۔ ہاں بڑے میاں منصور صاحب کا حسنِ سلوک ہے کہ ہمیں یہاں روٹی وغیرہ کی کمی نہیں آنے دیتے۔ یہ بات سچ ہے کہ ہنگامی صورت میں بعض اوقات لنگرخانہ نمبر ایک سے ہی روٹی کی سپلائی دوسرے لنگرخانوں کو بھی ہوتی تھی۔ یہاں مغز بھی پکتا تھا اور میاں منصور احمد صاحب سب کو بڑے پیار سے کھلاتے تھے۔ یہ روحانی منظر ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور مغز کی خوشبو ابھی بھی آتی ہے۔ اسی لنگرخانہ سے روٹی سالن قیامگاہ برائے مستورات نصرت جہاں کالج کو سپلائی کیا جاتا تھا۔ استاذی المکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب اس ڈیوٹی کو سرانجام دیتے تھے۔ یہ کام ان کو سجتا تھا کیونکہ لجنہ کی طرف بھی خاندان کی بیبیاں ڈیوٹی پر ہوتی تھیں۔ مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب گھر کے فرد تھے جو جلسہ سالانہ پر اس شعبہ کے افسر بن کر بڑی محنت سے ڈیوٹی نبھاتے تھے۔ جلسہ کے دنوں میں میر صاحب کی حالت دیکھ کر رشک بھی ہوتا اور رحم بھی آتا۔ ان دنوں ان کی آواز بیٹھ جاتی اور فکر ایسی لگی ہوتی کہ جیسے لجنہ کو روٹی نہ ملی تو ختم۔

1981ء کے آخر میں جب خاکسار نائیجیریا اور سیرالیون سے دس سال بعد مرکز ربوہ پہنچا تو چند روز بعد ہی دفتر پرائیویٹ سیکریٹری سے پیغام آ گیا کہ حضور (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ) نے یاد فرمایا ہے۔ خاکسار دفتر پہنچا تو میاں احمد صاحب وہاں ملے اور فرمانے لگے مجید! تمہاری ملاقات ہے اور حضور نے تمہاری اسلام آباد میں کوٹھی بیت الفضل ایف 8/3 میں تقرری فرمائی ہے اور تم نے وہاں جا کر مولانا محمد شفیع اشرف صاحب سے چارج لینا ہے۔ بڑی اہم ملاقات تھی۔ وقت پر حضورؒ کے سامنے ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ میں بہت گھبرایا ہوا تھا کیونکہ ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ حضورؒ نے میری گھبراہٹ دور کی اور حوصلہ دیا کہ فکر نہ کرو۔ میں نے بڑی دعا کے بعد تمہارا تقرر کیا ہے۔ میاں احمد تمہیں خط دے گا اور کچھ سمجھا دے گا۔ جتنے دن تم یہاں ہو ملاقات کے لیے آجایا کرو۔ دعا لے کر خوش خوش باہر آیا تو سٹاف پی ایس میں بہت محبت بھرا احترام دیکھا۔ دل نے اور حوصلہ پکڑا۔ دوسرے روز دفتر آیا تو سوچا تھا کہ شاید آج ہی اسلام آباد جانا ہے۔ میاں احمد صاحب کہنے لگے نہیں ٹھہرو، ابھی شفیع اشرف صاحب نے اپنے معاملات سمیٹنے ہیں۔ ہمیں ان کی طرف سے اطلاع ملے گی تو پھر تمھیں خط دے کر بھیجیں گے اور وہاں کے امیر شیخ عبد الوہاب صاحب کو اطلاع دیں گے۔ جب تک یہ مرحلہ مکمل نہیں ہوتا تم دفتر پی ایس آتے رہو۔ ایک اور ملاقات ہوئی، الحمد للہ حضورؒ نے گلے لگایا، اعتماد کا اظہار فرمایا اور میری گھبراہٹ دور ہوئی، بنیادی اور ضروری باتیں سمجھائیں۔ اس سارے عرصے میں میاں احمد صاحب نے ہمدردانہ محبت بھرے مشوروں سے نوازا اور کام کرنے کا سلیقہ اور طریقہ بتایا۔ خدا جانتا ہے کہ مجھے تو کبھی خواب میں بھی یہ توقع نہ تھی کہ یہ حقیر نالائق خلیفۂ وقت کے اتنا قریب ہو کر سلسلہ کی خدمت کی توفیق پائے گا۔ ٹھیک ہے افریقہ میں دس سال گزار آیا تھا۔ لیکن خلافت کے اتنا قریب رہ کر ان کے دفتر میں کام کرنے کے آداب سے کلیۃً ناواقف تھا۔ دفتر میں محترم محمد اسلم منگلا صاحب پرائیویٹ سیکریٹری تھے اور ان کا عملہ سلیم صاحب، بابو لطیف صاحب، رشید صاحب اور دیگر دس بارہ کارکنان پر مشتمل تھا۔ میں نے وہاں کیا کرنا تھا؟ حضور پُرنور ان دنوں ترجمہ قرآن مجید اور مسجد بشارت سپین کی تعمیر و تکمیل کا کام کروا رہے تھے۔ ایک ہی لگن تھی کہ یہ دو کام مکمل ہو جائیں۔ محترم میاں احمد صاحب کا مجھ پر بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے مجھے آداب سکھائے، تربیت کی اور چند دنوں میں ہی مجھے قرینے اور سلیقے سکھا دیے، کام کی نوعیت اور اس کی اہمیت بتائی اور عالمگیر ڈائری، رابطوں سے آگاہی بخشی۔

حضور رحمہ اللہ سے ملاقاتیں ہوتیں تو مجھے محسوس ہونے لگا کہ حضورؒ تو میری چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی واقف ہیں حتی کہ ان کو یہ بھی پتا ہے کہ میری شادی کہاں ہوئی ہوئی ہے اور بچے کتنے ہیں۔ میرے والد محمد عبد اللہ صاحب جو بہت اونچا سنتے ہیں اور سسر ماسٹر محمد شریف صاحب ایم اے امیر حلقہ ڈسکہ ہیں۔ سب کو جانتے تھے۔ کمال ہے۔ میں حیران تھا کہ حضورؒ کو میری ساری ہسٹری یاد ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضورؒ نے فرمایا میں نے تمہاری تقرری قبولیت دعا کے بعد کی ہے، گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلام آباد جا کر چارج لو۔ میں وہاں آرہا ہوں۔

حضورؒ کی شخصیت انتہائی پیاری، مقدس، پُرنور اور مسحور کن تھی۔ چہرہ بارعب، آنکھیں پُرکشش، داڑھی سفید، پگڑی بامشرح، فرشتہ نما صورت، رنگت گندمی گلابی، مردانہ خوبصورتی کا مرقع، حسن و جمال باکمال۔ میں نے تو ان جیسا کوئی خوبصورت انسان کبھی دیکھا نہیں تھا۔ میں تو ایک نکما عام سا ادنیٰ درجے کا مربی ہی تھا، حضورؒ نے اتنی محبت دی کہ جس کا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حضورؒ نے جو ہدایتیں دیں ان سے میرا اعتماد بڑھ گیا۔ باہر نکلتا تو دوست احباب، اسٹاف بڑی عزت سے ملتے اور صیغہ جات کے افسران بھی احترام و محبت سے ملتے۔

چنانچہ نومبر 1981ء کو میاں احمد صاحب سے خط اور زبانی ہدایات لے کر اسلام آباد کوٹھی بیت الفضل ایف 8/3 پہنچا۔ محترم مولانا محمد شفیع اشرف صاحب سے چارج لیا اور اس کی ایک کاپی محترم میاں احمد صاحب کو پی ایس آفس بھجوا دی۔ مجھے کوٹھی میں ہی ایک حصے میں رہائش ملی اور اسی کمرے میں ٹیلیفون لگوا کر اپنا دفتر ترتیب دیا اور اللہ کا نام لے کر ڈیوٹی شروع کی۔

روزانہ دو دفعہ صبح شام حضورؒ کی ہدایت کے مطابق ربوہ ٹیلیفون پر حضورؒ سے بات ہوتی تھی۔ محترم میاں احمد صاحب کا اللہ بھلا کرے، جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی اور میں پُراعتماد ہو کر اتنی اہم جگہ پر ڈیوٹی دینے کے قابل ہوا اور حضور پُرنور کے مفوضہ امور سرانجام دینے لگا۔ حضورؒ کے وفد کو بھی سنبھالنے کی توفیق ملتی رہی۔

ایک دن میاں احمد صاحب اسلام آباد میں میرے دفتر اور کمرے میں آئے، بیٹھے اور مشاہدہ کے بعد کہنے لگے کہ تم نے یہ کیا دیوار پر بھی ٹیلیفون نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بعض اوقات نوٹ بک سامنے نہیں ہوتی تو جلدی سے یہ دیوار میرے کام آتی ہے۔ میرے ذہن نشین نہیں رہتا کہ کس کا نمبر کہاں لکھا ہے۔ ویسے روٹین کا رجسٹر ہے جس میں سب نمبر وغیرہ ہیں اور انٹرنیشنل نمبر بھی ہیں۔ ضروری اہم شخصیات، ملکوں اور مشنوں کے نمبر بھی ہیں۔ تاہم میاں احمد صاحب میرا بیڈ روم اور باتھ روم وغیرہ دیکھ کر خوش ہوئے اور کہا کہ حضور خوش ہیں کہ تم نے کام سمجھ لیا ہے اور ڈیوٹی

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ذمہ داری سے نبھا رہے ہو۔ اس دن میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ میاں احمد صاحب یہ کی خوبی تھی کہ اچھی خبر دے کر کارکن کا دل خوش کر دیتے۔ مالک خوش تو اللہ بھی خوش کہ کام ٹھیک ہو رہا ہے۔ حضورؒ جب تشریف لاتے تو کوٹھی پُر رونق اور پُرنور ہو جاتی۔ شمع کے پروانے جمع ہو جاتے۔ حضورؒ کے بیٹے اور عزیز بھی بعض اوقات خوشخبری سنا کر اس عاجز کا دل خوش کر دیتے۔ الحمد للہ۔ اس کا سہرا تو میاں احمد صاحب کو جاتا ہے۔

میاں احمد صاحب ایک ہمدرد اور سچے انسان تھے جن کی سوچ اونچی، تفکر بلند اور دوراندیشی حد درجہ کی تھی۔ ہمہ وقت سلسلہ کی بھلائی کے لیے سوچ بچار کو ایک ہی نقطہ پر مرکوز کیا ہوُا تھا اور وہ تھا خلیفہ ٴوقت کے پیغام پر عمل پیرا ہونا اور اشاروں پر چلنا۔ دعاؤں سے کام لیتے، میاں خورشید صاحب، چوہدری حمید اللہ صاحب اور دیگر اکابرین سے مشورہ لیتے اور جماعت کی بھلائی اور ترقی کے لیے کام کرتے۔ ہر اچھے نتیجے کو حضورؒ کی دعاؤں کا نتیجہ اور اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھتے۔

لاہور، دار الذکر احمدیہ مسجد میں خون آشام واقعہ پیش آیا جس میں جماعت کے چھیاسی افراد شہید ہوئے۔ ان شہیدوں کے جنازوں کو جیسے جماعت نے سنبھالا اس میں میاں خورشید صاحب اور میاں احمد صاحب کا کردار نمایاں ہے۔ پھر شہداء کی فیملیوں اور لواحقین کو گھر گھر جا کر حوصلہ دینا، دلجوئی کرنا اور مشکل کے وقت ان کے کام آنا اور ان کو سنبھالنا، سہارا دینا، ان کے غم کو اپنا غم سمجھنا اور خلیفہ ٴوقت کو جو اس سانحہ سے تکلیف پہنچی اور غم ملا وہ ناقابل بیان ہے۔ لیکن میاں احمد صاحب نے ایسے محسوس کیا جیسے شہداء کے ورثاء تڑپے اور نڈھال ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صبر دکھانے کی ہمت تو دی اس کا سہارا خلیفہ ٴوقت بنے۔ پاکستانی میڈیا کے اینکر مبشر لقمان وغیرہ کو میاں احمد صاحب نے ایسے زبردست منہ توڑ انٹرویو دیے کہ کمال کر دیا، حق ادا کر دیا، جماعت کا مؤقف ایسی جرأت اور حکیمانہ انداز سے اور مدلل طور پر پیش کیا کہ آئندہ مستقبل کا مؤرخ اس کو ضرور اجاگر کرے گا۔

میاں احمد صاحب اور ان کی ٹیم نے شہداء کے ورثاء کی بے لوث خدمت کی اور مختلف ممالک میں ان کو سیٹل کیا۔ خدا ان کی خدمت کو قبول فرمائے۔ جماعت کی شان بڑھائے۔ شہداء کو سلام۔ ان شہیدوں کا خون ایک دن ضرور رنگ لائے گا، قربانی نمایاں ہوگی۔ یہ پاکستانی قوم پر اُدھار ہے جو انہیں ضرور ادا کرنا ہے۔

میاں احمد صاحب خلیفہ ٴوقت کے سچے سلطان نصیر تھے۔ جماعت کے ہمدرد اور جماعت کے کارکنان کے خیرخواہ۔ ان کی مشکلوں کو آسان کرنا میاں احمد صاحب کی ترجیح ہوتی تھی۔ کسی کا بھی کوئی مسئلہ ہو اس کو حل کر کے، خوشی پہنچا کر سکون اور اطمینان محسوس کرتے تھے۔ اپنے عہدے اور مقام کا حق ادا کر دیتے اور غریبوں کی دعائیں لیتے۔

میاں احمد صاحب بے حد زیرک، دوراندیش، معاملہ فہم، ذہین وفہیم اور ہمدرد انسان تھے۔ قائدانہ صلاحیت کمال کی تھی۔ بڑی سوچ بچار حکمت سے منصوبہ بندی کرتے اور کام کو ترتیب دیتے، جس سے اللہ تعالیٰ فضل فرماتا اور نتائج امید سے بڑھ کر اچھے نکلتے۔

الحمد للہ آگے ان کے بیٹوں میں یہی خوبی دیکھتا ہوں کہ وہ خلافت کے مضمون کا پورا پورا اِدراک رکھے ہوئے ہیں۔ خلیفہ ٴوقت کے وفادار، محبّ، جانثار ہیں، جو اپنے عمل اور کردار سے اپنے کارکنان پر نیک اثر رکھتے ہیں، جس سے ان کی عظیم ماں بی بی قوسی کو فخر اور خوشی ہے۔ میاں احمد کی روح بھی جنت الفردوس میں خوش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مقامِ محمود میں رکھے، ان کی ناقابلِ فراموش جماعتی وانسانی خدمات کا صلہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

بقیہ: دربار خلافت...... از صفحہ 2

بقیہ: دربار خلافت...... از صفحہ 2

ہیں جو فوری طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے فضل نظر آ رہے ہوتے ہیں جس سے احساس ہوتا ہے کہ شاید یہ فضل فلاں وجہ سے ہوا ہے۔ اور جب کبھی ایسا موقعہ ہو تو ایسے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کے حضور اور جھکنا چاہیئے۔ کسی قسم کی بڑائی دل میں نہیں آنی چاہیئے بلکہ عاجزی میں ترقی ہونی چاہیئے۔

عبداللہ بن طُھفَہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثرت سے مہمان آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ہر کوئی اپنا مہمان لیتا جائے۔ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت زیادہ مہمان آ گئے۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ ہر کوئی اپنے حصے کا مہمان ساتھ لے جائے۔ عبداللہ بن طُھفَہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ان میں سے تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے۔ چنانچہ جب آپؐ گھر پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: کیا گھر میں کھانے کو کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی ہاں! حریرہ نامی کھانا ہے جو میں نے آپ کے افطار کے لئے تیار کیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ وہ کھانا ایک برتن میں ڈال کر لائیں۔ اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا کھایا اور پھر فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھائیں اور مہمانوں کو دے دیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کھانے میں سے اس طرح کھایا کہ ہم اسے دیکھ نہیں رہے تھے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہارے پاس پینے کو کوئی چیز ہے۔ انہوں نے کہا: جی ہاں حریرہ ہے جو میں نے آپ کے لئے تیار کیا ہے۔ فرمایا کہ لے آؤ تو وہ لے آئیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ برتن لے کے اپنے منہ کو لگایا، اس میں سے تھوڑا سا لیا اور پھر مہمانوں کو دے دیا کہ بسم اللہ کر کے پینا شروع کریں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم بھی اسے اسی طرح پینے لگے کہ ہم اسے دیکھ نہیں رہے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر وہ سونے کے لئے مسجد میں چلے گئے اور پھر کہتے ہیں صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور لوگوں کو الصَّلٰوۃ الصَّلٰوۃ کہہ کر لوگوں کو بیدار کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپؐ صبح کے وقت آتے تو لوگوں کو نماز کے لئے اٹھاتے۔ راوی کہتے ہیں جب میرے پاس سے گزرے تو میں اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا میں عبداللہ بن طُھفہ ہوں۔ آپؐ فرمانے لگے سونے کا یہ انداز ایسا ہے جسے اللہ پسند نہیں کرتا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 326 مطبوعہ بیروت)

الٹے ہو کر سونا بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ سیدھے سونا چاہیئے اور بہتر یہی ہے کہ دائیں کروٹ سوئیں۔ اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو۔

جیسا کہ ہر معاملے میں جو بھی جماعتی طور پر ذمہ داریاں بانٹی جاتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حصہ میں ضرور کچھ نہ کچھ ذمہ داری لیا کرتے تھے۔ یہاں بھی جب مہمانوں کو گھروں میں لے جانے کا موقع آیا تو آپؐ کچھ مہمانوں کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور لگتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو بھی خوراک تیار کی ہوئی تھی، جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے، وہ بہت تھوڑی مقدار میں تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیار کی گئی تھی۔ جب آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ خوراک تھوڑی سی مقدار میں ہے، آپؐ کی افطاری کے لئے تیار کی گئی ہے تو آپ نے اس وجہ سے بھی کہ آپؐ روزے دار تھے اور افطاری کرنی تھی اور اس لئے بھی کہ آپؐ کو پتہ تھا کہ آپ پہلے منہ لگائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس خوراک میں برکت ڈال دے گا، پہلے خود کھایا اور پھر باقیوں کو دیا کہ اب کھاؤ۔ اور وہ بھی بغیر دیکھے کھاتے گئے۔ جتنے بھی لوگ تھے سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر پینے کے لئے حریرہ منگوایا تو یہاں روزہ کھولنے والی بات تو کوئی نہیں، زیادہ غالب یہی ہے کہ اس لئے کہ اس خوراک میں برکت پڑ جائے اس کو بھی پہلے آپؐ نے خود پیا۔ تو اسی طرح اور بھی کھانے کے بہت سارے واقعات ہیں آپؐ پہلے لیتے تھے۔ مقصد یہی ہوتا تھا کہ اس میں برکت پڑ جائے کیونکہ جب میں کھاؤں گا، دعا کروں گا تو اس خوراک میں برکت ہو جائے گی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خوراک پہلے استعمال کی یہ اصل میں مہمان نوازی کا حق ادا کرنے کے لئے تھا کہ تھوڑی سی خوراک ہے اور اس سے سیر نہیں ہو سکتے تو میں پہلے لوں اور اس پہ دعا پڑھوں تو اللہ تعالیٰ برکت ڈال دے گا۔ اس لئے یہ کوئی عام اصول نہیں ہے بلکہ مہمانوں کی جب خدمت کی جائے تو پہلے مہمانوں کو کھانے کا موقع دینا چاہیئے اور اس کے بعد پھر بچا کھچا آپ کھانا چاہیئے۔

ایک روایت ہے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا تو لوگ اژدھام کر کے آپؐ کے گرد جمع ہو گئے، بہت سارا ہجوم کر کے رش کر کے آ گئے۔ کہتے ہیں میں بھی ان میں شامل تھا جو دوڑ دوڑ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ جب آپؐ کا چہرہ خوب مجھ پر روشن ہو گیا تو میں نے جان لیا کہ یہ منہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے اور سب سے پہلی بات جو میں نے آپؐ کو کہتے ہوئے سنا وہ یہ تھی کہ سلام کو رواج دو، کھانا کھلایا کرو اور صلہ رحمی کیا کرو اور اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(مسند احمد بن حنبل۔ مسند باقی الانصار جلد ۵ صفحہ ۴۵۱) (خطبہ جمعہ 23/ جولائی 2004ء)

طلوع وغروب آفتاب

05مارچ2021ء	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	05:22	18:26
مدینہ منورہ	05:23	18:26
قادیان	05:30	18:29
ربوہ	05:10	18:09
اسلام آباد ٹلفورڈ	05:09	17:51